ڈاکٹر حافظ محمد زبیر[1]
حافظ ہاجرہ مدنی[2]

فقہاء اور ائمہ محدثین کا تصور اجماع: ایک تقابلی مطالعہ

Abstract

The classical scholars valued the meaning and concept more than the word itself which is why in order to represent an idea or a concept related to Islam, they never disassociated the conventional meaning from its linguistic meaning. In contrary to the classical approach, the modern approach as a result of Greco logical intervention entails the addition of several conditions and clauses in order to define a terminology in a more technical and scientific way. Henceforth, not only did this approach constitute several variations in the definitions, but also each one of these definitions was criticized by its proponents.

In the opinion of Imām Mālik, Ijmā' (unanimity) refers to the customary practice of the people of Madīnah, being followed since the time of the Prophet's companions, and is potentially a proof or evidence because of its transmission and narration. However, he does not delegate the status of Ijmā' to Ijtihād (i.e. one's exertion in determining the legal ruling of Islam) or Istinbāṭ (inference or deduction) carried out by the people of Madīnah from the sacred texts.

1 اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف ہیومینٹیز، کامساٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور
2 لیکچرار علوم اسلامیہ، اسلام آباد ماڈل کالج فار گرلز (IMCG) F-7/4، اسلام آباد

Similarly, according to Imām Shāfa'ī consensus (Ijmā;) is achievable only in the basic and primary matters i.e. basis and fundamentals of Islam as oppose to the secondary matters. Such matters are those matters that are unlikely to be subjected to any scholarly difference of opinion, like the matter of five obligatory prayers, fasting in Ramaḍān, etcetera.

In the same way, according to Imām Aḥmad and Imām Bukhārī, Ijmā' is viewed as a common opinion of the righteous and reputable group of scholars by academics of high eminence. However, it is also argued that in the opinion of Imām Bukhārī, Ijmā' refers to the customary opinion of the righteous scholars concluded by style of deductive and implicative method of reasoning from sacred texts.

اجماع کا مادہ 'ج، م، ع' ہے جس کے لغوی معنی اشیاء کو اکٹھا کرنے اور باہم ملانے کے ہیں۔ ابو منصور ازہری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 370ھ) لکھتے ہیں:

"والجمع أن تجمع شيء إلى شيء والإجماع أن تجعل المتفرق جميعاً."[1]

"جمع سے مراد ایک شے کو دوسری شے سے ملانا ہے اور 'اجماع' یہ ہے کہ آپ متفرق اشیاء کو اکٹھا کر دیں۔"

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 502ھ) لکھتے ہیں:

"الجمع ضم الشيء بتقريب بعضه من بعض، يقال جمعته فاجتمع، وقال عز وجل: ﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾، ﴿وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ﴾، ﴿جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ﴾، ﴿يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ﴾ ...وأجمعت كذا أكثر ما يقال فيما يكون جمعاً يتوصل إليه بالفكرة نحو: ﴿فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ﴾ ...وقال تعالى: ﴿فَأَجْمِعُوا كَيْدَكُمْ﴾ ويقال أجمع المسلمون على كذا، اجتمعت آراؤهم عليه."[2]

---

1 الأزهري، أبو منصور محمد بن أحمد، تهذيب اللغة: 1/ 254، دار احياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى، 2001م

2 الأصفهاني، أبو القاسم الحسين بن محمد، المفردات في غريب القرآن: ص190، دار القلم، دمشق، الطبعة الأولى، 1412هـ

"'جمع' سے مراد مختلف اشیاء کو ایک دوسرے کے قریب کرتے ہوئے آپس میں ان کو ملا دینا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: میں نے اس کو جمع کیا تو وہ جمع ہو گیا۔ اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے: 'اور روز قیامت سورج اور چاند کو جمع کیا جائے گا۔' ایک اور آیت میں ارشاد ربانی ہے: 'اس نے مال جمع کیا اور اس کو محفوظ رکھا۔' ایک اور آیت میں ارشاد ہے: 'اس نے مال کو جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا۔' ایک اور آیت میں ارشاد ہے: 'اللہ تعالیٰ ہم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا، پھر وہ ہمارے مابین حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے گا۔'... باب افعال سے یہ لفظ اکثر و بیشتر ان چیزوں کے جمع کرنے کے بارے میں آتا ہے جو فکر سے متعلق ہوں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: 'تم اپنی تدبیر کو اپنے شریکوں سمیت تیار کرلو'... اسی طرح اللہ نے فرمایا: 'تم اپنی چال کو پختہ کرلو۔' اسی طرح کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے یعنی اس مسئلے میں ان کی آراء باہم متفق ہیں۔"

علامہ سید مرتضی الزبیدی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 1205ھ) لکھتے ہیں:

"والإجماع أي إجماع الأمة الإتفاق، يقال: هذا أمر مجمع عليه أي متفق عليه."[1]

"اجماع امت سے مراد امت کا اتفاق ہے۔ مجمع علیہ امر اس کو کہا جاتا ہے کہ جو متفق علیہ ہو۔"

اصطلاحی تعریف

'اجماع' کی تعریف کے سلسلے میں ائمہ کرام کے مابین اختلاف موجود ہے، لیکن حقیقتاً یہ اختلاف لفظی ہے۔ سب کی بیان کردہ تعریفات کا مضمون قریب قریب ایک ہی ہے۔

امام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 505ھ) اجماع کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"أما تفهيم لفظ الإجماع فإنما نعني به اتفاق أمة محمد ﷺ خاصة على أمر من الأمور الدينية."[2]

"جہاں تک اجماع کے لفظ کے مفہوم کا معاملہ ہے تو اس سے ہماری مراد امت محمدیہ کا وہ اتفاق ہے جو خصوصی طور امور دینیہ میں ہو۔"

امام بزدوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 730ھ) اجماع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إنه عبارة عن اتفاق المجتهدين من هذه الأمة في عصر على أمر من الأمور."[3]

"وہ اس امت کے اہل اجتہاد لوگوں کے کسی زمانے میں کسی معاملے پر باہم اتفاق کرلینے سے عبارت ہے۔"

شیخ محمد بن علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 730ھ) فرماتے ہیں:

"وفي اصطلاح الأصوليين هو إتفاق خاص وهو اتفاق المجتهدين من أمة محمد ﷺ في عصر علي

---

[1] الزبيدي، محمد بن محمد بن عبد الرزاق، تاج العروس من جواهر القاموس: 20/ 463، دار الهداية

[2] الغزالي، أبو حامد محمد بن محمد، المستصفىٰ: 1/ 286، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 1993م

[3] البزدوي، عبد العزيز بن أحمد بن محمد، كشف الأسرار: 3/ 227، دار الكتب الإسلامي، بيروت

أمر من الأمور."[1]

"وہ اس امت کے اہل اجتہاد لوگوں کے کسی زمانے میں کسی معاملے پر باہم اتفاق کر لینے سے عبارت ہے۔"

علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 631ھ) یوں رقمطراز ہیں:

"الإجماع عبارة عن اتفاق جملة أهل الحل والعقد من أمة محمد من عصر من الأعصار على حكم واقعة من الوقائع."[(2)]

"اجماع سے مراد کسی زمانے میں امت محمدیہ کے جملہ اہل حل وعقد کا کسی واقعے کے شرعی حکم پر اتفاق کر لینا۔"

علامہ علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 730) فرماتے ہیں:

"وقيل وهو الأصح إنه عبارة عن اتفاق المجتهدين من هذه الأمة في عصر على أمر من الأمور."[3]

"ایک قول کے مطابق، اور یہ قول صحیح ترین ہے' اجماع سے مراد اس امت کے مجتہدین کا کسی زمانے میں کسی معاملے پر اتفاق کر لینا ہے۔"

اجماع کے وقوع کا امکان

اوپر اجماع کی جو تعریف کی گئی ہے اس کی رو سے کیا اس کے وقوع پذیر ہونے کا امکان ہے؟ اس بارے میں جمہور اصولیین کہتے ہیں کہ یہ ممکن ہے اور عملاً صحابہ کرام کے زمانہ میں ہو چکا ہے، چنانچہ صحابہ کرام نے بہت سے احکام پر اجماع کیا ہے۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی کو بیک وقت نکاح میں نہیں رکھا جاسکتا۔ دوسرا یہ کہ اگر سگے بہن بھائی نہ ہوں تو باپ کی طرف سے ہونے والے بہن بھائیوں کو سگے بہن بھائیوں کی جگہ دی جائے گی۔ تیسرا یہ کہ مسلمان عورت کا نکاح کسی غیر مسلم مرد سے نہیں ہو سکتا۔ چوتھا یہ کہ مفتوحہ اراضی کو فاتحین کے درمیان نہیں بانٹا جائے گا کہ جس طرح دوسرے اموال غنائم بانٹ دیے جاتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 204ھ) اگرچہ اجماع کے ممکن الوقوع ہونے کے قائل ہیں، لیکن وہ عہد صحابہ کے بعد اس کے وقوع کو انتہائی نادر اور مشکل شمار کرتے ہیں کیونکہ جن علماء کا اجماع معتبر ہے وہ مختلف ممالک میں پھیل گئے اور ان کا باہم ملاقات کرنا مشکل ہو گیا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ اجماع ممکن الوقوع تو ہے لیکن اس کے واقع ہونے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ کسی ایک مجلس یا مکان میں جمیع علماء وفقہاء جمع ہوں اور اپنی آراء کا صراحت سے اظہار کریں یا ایک عالم دین جمیع بلاد اسلامیہ کا سفر کرتے ہوئے تمام فقہا کی آراء جمع کرے، بلکہ اس

---

1 التهانوي، محمد بن علي ابن القاضي محمد حامد بن محمد، كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم: 1/ 248، مكتبة لبنان، بيروت، الطبعة الأولى، 1996م

2 الآمدي، أبي الحسن علي بن أبي علي بن محمد، الإحكام في أصول الأحكام: 1/ 254، المكتب الإسلامي، بيروت

3 كشف الأسرار: 3/ 337

کا وقوع یوں ممکن ہے کہ دین اسلام کے ضروری اساسی مسائل اس قدر واضح اور صریح ہیں کہ ان کے بارے میں اگر تم کسی بھی شخص یا عالم دین سے پوچھو تو وہ اس کا ایک ہی جواب دے گا، مثلاً پانچوں نمازوں کی فرضیت، ان کی تعداد رکعات، صفات اور اوقات، زکاۃ، روزہ اور اس کے حدود اور بعض وہ حالات جن میں اسے چھوڑا جا سکتا ہے، حج اور جہاد کی مشروعیت وغیرہ۔ دین اسلام میں مثلاً پانچ نمازوں کی فرضیت پر اجماع کے حوالے سے کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ جمیع علماء وفقہاء سے صراحتاً نماز کی فرضیت کے بارے میں رائے معلوم کر سکے اور اس کی بنیاد پر اجماع کا دعوی کرے اور نہ ہی کبھی تاریخ میں ایسا ہوا ہے کہ کسی زمانے میں جمیع صحابہ' تابعین یا علماء نے کسی ایک جگہ جمع ہو کر پانچ نمازوں کی فرضیت کے بارے میں اتفاق کا اظہار کیا ہو، بلکہ پانچ نمازوں کی فرضیت کو ہم اس طرح مجمع علیہ مسئلہ کہیں گے کہ اگر کسی بھی مسلمان یا عالم دین سے تم اس مسئلے کے بارے میں پوچھو گے تو وہ تمہیں ایک ہی جواب دے گا۔[1] امام شافعی رحمہ اللہ (متوفیٰ 204ھ) اپنی کتاب 'الأم' میں اپنے سے اختلاف کرنے والے شخص سے کہتے ہیں:

"یہ وہ اجماع ہے جس کے بارے میں اگر تم کہو کہ وہ ہو گیا تو اپنے ارد گرد کسی کو، اگر وہ کچھ علم رکھنے والا ہو، یہ کہتے نہ پاؤ گے کہ یہ اجماع نہیں ہے۔"[2]

تقریباً یہی رائے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (متوفیٰ 241ھ) کی بھی ہے، چنانچہ امام ابن قیم رحمہ اللہ (متوفیٰ 751ھ) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"من ادّعى الإجماع فهو كاذب."[3]

"جس نے اجماع کا دعوی کیا، وہ جھوٹا ہے۔"

مزعومہ اجماع کی صورت حال کا نقشہ علامہ ابو بکر جصاص رحمہ اللہ (متوفیٰ 370ھ) کی تصنیف 'الاجماع' میں کچھ یوں کھینچا گیا ہے:

"والذي يتضح من النصوص التي أوردناها أن الإجماع الكامل وهو معرفة جميع آراء الفقهاء والمجتهدين صراحة في المسألة لم يقع في عهد الصحابة وذلك أنه رغم الإقامة الجبرية التي فرضها عمر على الفقهاء في خلافته كان هو بنفسه يرسل القضاة الفقهاء إلى الأمصار ليحكموا بين الناس كإرساله أبا موسى الأشعري إلى البصرة مثلاً ليقضي بين الناس وهو الفقيه الذي يعد أحد الفقهاء في عصر الرسول ولم يكن يستخرج رأيه أو أقل ما يقال لم يعرف أنه استخرج رأيه في المسائل التى عرضت لعمر والتي لم يعرف لها حكما لا من كتاب ولا من سنة ولهذا يمكن أن

[1] الشافعي، أبو عبد الله بن محمد إدريس، الرسالة: ص357 - 359، مكتبة الحلبي، مصر، 1940م

[2] الشافعي، أبو عبد الله محمد بن إدريس، الأم:4/ 81، دار المعرفة، بيروت

[3] ابن قيم، محمد بن أبي بكر بن أيوب، إعلام الموقعين: 1/ 30، دار الكتب العلمية، بيروت، 1991م

نقول أن الإجماع الذي كان على عهد الصحابة رضي الله عنهم هو إجماع الفقهاء حاضري مركز الخلافة أما من سواهم من الفقهاء و المجتهدين فإجماعهم يكون تبعاً لإجماع الذي' صدق عليه الخليفة و عمل به و أفتى الناس عليه وإن كان قولهم إن خالفوا يعتد به." [1]

"جن نصوص کا ہم نے تذکرہ کیا ہے' ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اجماع کامل یعنی کسی مسئلہ میں جمیع فقہاء اور مجتہدین کی آراء کی معرفت' صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں واقع نہیں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنے دور خلافت کے محدثین کو اپنے ارد گرد اکٹھا کر رکھا تھا وہ خود بھی مختلف شہروں کی طرف فقہاء اور قاضیوں کو لوگوں کے مابین فیصلوں کے لیے بھیجتے تھے، جیسا کہ انہوں نے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ لوگوں کے مابین فیصلے کریں اور یہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک فقیہ صحابی تھے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا طریقہ استخراج آراء کا نہ تھا یا کم از کم مشہور نہیں ہوا کہ انہوں نے پیش آمدہ مسائل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنی آراء پیش کی ہوں، بالخصوص ان مسائل کے بارے میں جن کے متعلق کتاب وسنت میں کوئی شرعی نص معروف نہ ہو۔ اسی لیے اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ ہم یہ بات کہیں کہ زیادہ سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کا اجماع مرکز خلافت مدینہ منورہ میں موجود فقہاء کا اکٹھ ہو سکتا تھا۔ البتہ ان کے ماسوا فقہاء اور مجتہدین کا اجماع اس اجماع کی متابعت میں ہو سکتا ہے' جس کی تصدیق خلیفہ کی طرف سے ہوئی اور خلیفہ اس پر عمل کرتے ہوئے اس کے مطابق رعایا کے لیے فتوی جاری کر دیتا۔ اور اگر ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے خلیفہ کے قول کی مخالفت کی ہوتی تو اس مخالفت کا اعتبار ہو سکتا تھا۔"

خلاصہ یہ ہے کہ سلف صالحین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اجماع حجت شرعیہ تو ہے، لیکن اس کا وقوع بہت مشکل ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 728ھ) کا کہنا یہ ہے کہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کے دور میں تو اجماع ممکن تھا اور واقع بھی ہوا ہے، لیکن ان کے زمانہ کے بعد اس کا وقوع ممکن نہیں ہے۔ [2] اسی رائے کو اکثر فقہائے محدثین نے اختیار کیا، جیسے امام ابن حزم (متوفیٰ 456ھ) اور امام شوکانی (متوفیٰ 250ھ) رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ۔ [3]

اجماعی مسائل کو جمع کر کے مستقل کتب لکھنے والے تقریباً تمام مؤلفین، جیسے امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن المنذر (متوفیٰ 319ھ) رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، نے بھی اپنی کتبِ اجماع کے مقدموں میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ اکثر

---

1 الجصاص، أبوبكر أحمد بن علي، الإجماع: ص13-14، دار المنتخب العربي، 1993ء

2 ابن تيمية، تقي الدين، أبو العباس أحمد بن عبد الحليم، مجموع الفتاوى: 11/ 341، مجمع الملك فهد، المملكة العربية السعودية

3 الشوكاني، محمد بن علي بن محمد بن عبد الله، إرشاد الفحول: 1/ 259-260، دار الكتب العربي، الطبعة الأولى، 1999م

اجماع کے دعوے دعووں کے قبیل سے ہوتے ہیں، حقیقی اجماعی مسائل بہت کم ہیں، چنانچہ اجماع کے دعووں کو خوب سوچ سمجھ کر لینا چاہیے۔

قریب قریب اجماع کے حوالے سے یہی رائے اصولیوں میں سے امام الحرمین الجوینی (متوفیٰ 478ھ) رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی (متوفیٰ 505ھ) رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اختیار کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اجماع ایک ظنی دلیل ہی کا نام ہے، کیونکہ ایسے مسائل نہایت نادر ہیں جن کے بارے میں قطعی کہا جاسکے کہ یہ مجمع علیہ ہیں۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ عام طور جو اجماع کے دعوے کتب فقہ میں موجود ہیں ان کا منکر گمراہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ وقوع اجماع کے اکثر دعوے حقیقی نہیں ہوتے۔[1]

اجماع کے وقوع کا عصر حاضر میں امکان

واضح رہے کہ اجماع کے حوالے سے اوپر جس اجماع کو حجت شمار کیا گیا ہے، ایسا اجماع آج کے دور میں بھی ہو سکتا ہے کیونکہ آج ہم بھی کہہ سکتے ہیں 'مسلمانوں کا پانچ نمازوں کی فرضیت پر اجماع ہے'۔ اگر کوئی شخص اس پر یہ اشکال وارد کرے کہ اہل قرآن اور منکرین حدیث تو پانچ نمازوں کی فرضیت کے قائل نہیں ہیں تو پھر اجماع کا دعوی کیسے ممکن ہے؟ اس کا یہی جواب ہے کہ نماز اصول دین میں سے ایک اصل ہے اور اس کی فرضیت صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور سے بالا اجماع منقول ہے۔ اگر مابعد کے ادوار میں کچھ گمراہ یا بدعتی فرقوں نے اس کی فرضیت کا انکار کر دیا تو بھی اجماع بر قرار رہا۔ اسی طرح آج ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید کی متعدد قراءات کے وجود پر، حدیث کی حجیت پر، حدود و تعزیرات، عذاب قبر اور قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے وغیرہ جیسے امور پر امت کا اجماع ہو چکا ہے، اگرچہ کسی ایک مجلس یا مکان میں جمع ہو کر علماء نے اس قسم کے اجماعی فتووں کو جاری نہیں کیا اور نہ ہی مشرق و مغرب کے جمیع علماء میں سے ہر ہر عالم دین کی رائے ان کے بارے میں ہمیں صراحت سے معلوم ہے، لیکن اس کے باوجود اجماع کا دعوی جائز ہے اور یہ دعوی اسی معنیٰ میں ہو گا' جس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ پس ہمارے نزدیک اجماع سے مراد دین کے وہ صریح و بنیادی مسائل ہیں کہ جن کے بارے علماء کی ایک معتدبہ جماعت اپنی رائے کا اظہار اپنے قول اور عمل سے کرے اور بقیہ علماء میں سے کسی بھی عالم دین سے جب اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ قولی یا عملی صراحت سے اسی رائے کا اظہار کریں۔

اجماع کی حجیت

اجماع کی قطعیت کے سلسلہ میں درج ذیل متنوع قسم کے دلائل ملاحظہ کیجیے:

① ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴾[2] "جو شخص راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے باوجود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف

[1] المستصفیٰ: 1/ 354

[2] سورۃ النساء: 4:115

کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں:

"ذلك يوجب اتباع سبيل المؤمنين وهذا ما تمسك به الشافعي." [1]

"اس آیت سے مسلمانوں کے اجماع کی اتباع کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور یہی وہ آیت ہے جس سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اجماع کی حجیت کو ثابت کیا ہے۔"

② اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ [2]

"اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔"

وسط کے معنیٰ بہترین اور عادل کے آتے ہیں اور عادل گواہ کا قول حجت ہوتا ہے۔ [3]

③ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

﴿ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ﴾ [4] "اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔"

④ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ﴾ [5]

"اور جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ میں مذکورہ دونوں آیات سے متعلق لکھتے ہیں:

"مفهومه إن اتفقتهم فهو حق." [6]

"ان آیات کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جس مسئلہ میں امت محمدیہ متفق ہو جائے وہ برحق ہے۔"

⑤ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ [7]

---

[1] المستصفیٰ: 2/ 175

[2] سورۃ البقرۃ: 2: 143

[3] النملة، الدكتور عبد الكريم بن علي بن محمد، المهذب في علم أصول الفقه المقارن: 2/ 855، مكتبة الرشيد، الرياض، الطبعة الثالثة، 2004م

[4] سورۃ آل عمران: 3: 103

[5] سورۃ الشوریٰ: 42: 10

[6] المستصفیٰ: 1/ 138

[7] سورۃ النساء: 4: 59

"اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی اور اپنے میں سے اقتدار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف۔ اگر تمھیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور بہت اچھا ہے باعتبار انجام کے۔"

اس آیت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس مسئلہ پر امت محمدیہ کے علما باہم متفق ہوں وہ مسئلہ برحق ہوگا۔ اس لیے کہ اس آیت میں ﴿أُولِي الْأَمْرِ﴾ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، جس کی براہ راست تشریح ارباب حکومت سے جب کہ بالواسطہ ارباب بصیرت واجتہاد سے بھی کی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ ﴿وَأُولِي الْأَمْرِ﴾ سے مراد بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اہل علم ہی ہیں۔

⑥ علاوہ بریں متعدد احادیث ایسی ہیں جن سے اجماع کی حجیت کا ثبوت ملتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ الله لاَ يَجْمَعُ أُمَّتِي أَوْ قَالَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلَى ضَلاَلَةٍ وَيَدُ الله مَعَ الْجَمَاعَةِ»[1] "بے شک اللہ تعالیٰ میری امت کو یا فرمایا محمد ﷺ کی امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔"

⑦ اسی مضمون کی ایک یہ حدیث بھی ملاحظہ کیجئے:

«إِنَّ أُمَّتِي لَنْ تَجْتَمِعَ عَلَى ضَلاَلَةٍ فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلاَفًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الأَعْظَمِ»[2]

"بے شک میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوسکتی جب تم کسی مسئلے میں اختلاف دیکھو تو جماعت کی اتباع کرو۔"

⑧ دین اسلام میں لزوم جماعت کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے؟ نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے ملاحظہ فرمایئے:

«فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُفَرِّقَ أَمْرَ هَذِهِ الأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيعٌ فَاضْرِبُوهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ»[3]

"جو اس امت میں (خلیفہ منتخب ہونے کے بعد) تفرقہ ڈالنا چاہے جبکہ ساری امت اکٹھی ہو تو اس شخص کو قتل کر دو، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔"

⑨ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا، فَمَاتَ، فَمِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ »[4]

"جس نے جماعت (ملت اسلامیہ سے) بالشت بھر بھی دوری اختیار کی، پھر وہ اسی حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

---

1 الترمذي، أبو عيسى محمد بن عيسى، جامع الترمذي، كتاب الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة: 2167، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1999م

2 ابن ماجة، محمد بن يزيد القزويني، سنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب السواد الأعظم: 3950، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1999م

3 النيسابوري، مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب حكم من فرق أمر المسلمين: 1852، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1999م

4 صحيح مسلم: كتاب الإمارة، باب حكم من فرق أمر المسلمين: 1849

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت سے افتراق کو پسند نہیں کیا گیا اور ایسے شخص کی موت کو جاہلیت والی موت قرار دیا گیا ہے۔

⑩ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الإِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاةَ لْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ، وَإِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ »[1]

"بے شک شیطان انسان کے لیے بھیڑیا ہے جیسے کہ بھیڑ بکریوں کے لیے بھیڑیا ہوتا ہے، وہ الگ ہونے والی، تنہا ہونے والی، کنارے پر چرنے والی بکری کو پکڑ لیتا ہے لہٰذا الگ ہونے سے بچو اور تم پر مسلمانوں کے اکٹھ اور عامۃ المسلمین کے ساتھ رہنا لازم ہے۔"

⑪ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«.....بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ »[2]

"تم جماعت کی موافقت لازم پکڑو اور خبر دار تفرقہ سے بچو اس لیے کہ شیطان ایک کے مقابلے میں دو سے زیادہ دور ہوتا ہے جو شخص چاہتا ہے کہ جنت کے چبوترہ میں جگہ حاصل کرے وہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ موافقت کو لازم پکڑے۔"

مذکورہ دونوں احادیث اس مضمون کی وضاحت کرتی ہیں کہ ہر مسلمان کو عامۃ المسلمین کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا چاہیے اور انفرادی راستوں اور طریقوں سے بچنا چاہیے۔ اس لیے کہ جس طرح بھیڑیا ریوڑ سے الگ ہونے والی بکری کو آسانی سے قابو کر لیتا ہے اسی طرح شیطان بھی مسلمانوں کی جماعت سے الگ تھلگ ہو کر رہنے والے شخص پر بڑی سہولت سے قابو پا لیتا ہے اور اسے تباہی کے دھانے تک لے جاتا ہے۔

⑫ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لاَ تَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللهِ، لاَ يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلاَ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ »[3]

---

1 أحمد بن حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد، إمام، مسند أحمد، حديث معاذ بن جنل رضي الله عنه: 22107، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى، 2001م

2 جامع الترمذي، كتاب الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة: 2165

3 البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب سؤال المشركين أن يريهم النبي ﷺ آية (فأراهم انشقاق القمر): 3641، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثانية، 1999م

"میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے معاملے کو قائم رکھے گا انھیں جو رسوا کرنے کی کوشش کرے، یا ان کی مخالفت کرے گا، انہیں نقصان نہ پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آپہنچے اور وہ اسی حالت پر ہوں۔"

⑬ ترمذی میں اسی مضمون کی ایک حدیث ان الفاظ سے مروی ہے:

«لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ لاَ يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ ». قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ هُمْ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ.[1]

"میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اسے جو شخص رسوا کرنا چاہے نقصان نہ پہنچا سکے گا جب تک کہ قیامت قائم نہ ہو جائے۔ محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 256ھ) کہتے ہیں کہ علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 234ھ) کے نزدیک یہ حدیث کی خدمت کرنے والے علماء ہیں۔"

چونکہ علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ محدثین کی خدمات اور اتباع سنت کے مدح سراں ہیں اس لیے وہ ان کی فکری سلامتی کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کی نظر میں حدیث کی خدمت کرنے والے ہی السواد الاعظم ہیں کہ جو زمین پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں۔

⑭ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"فما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما رآه المسلمون سيئا فهو عند الله سيئ."[2]

"جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جس چیز کو مسلمان برا تصور کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔"

اگرچہ مذکورہ احادیث میں سے بعض کی اسناد پر کلام کیا گیا ہے لیکن تمام روایات مل کر زوردار انداز سے اجماع کی حجیت کو ثابت کر رہی ہیں۔

اجماع کی اقسام

علمائے اصول نے اجماع کی کئی ایک اعتبارات سے مختلف اقسام بیان کی ہیں۔ مجتہدین کی رائے کی صراحت اور عدم صراحت کے اعتبار سے اجماع کی دو قسمیں ہیں: 1۔ اجماع صریح اور 2۔ اجماع سکوتی

1۔ اجماع صریح

اس سے مراد وہ اتفاق ہے کہ جس مسئلے پر تمام اہل علم متفق ہوں اور اس رائے کے قبول کرنے کی صراحت

1 جامع الترمذي، كتاب الفتن، باب ما جاء في أهل الشام:2192

2 الهيثمي، أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: 1/ 182، مكتبة القدسي، القاهرة، 1994م

کریں۔ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 2015م) اجماع صریح کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فالإجماع الصريح هو أن تتفق آراء المجتهدين بأقوالهم أو أفعالهم على حكم في مسألة معينة كأن يجتمع العلماء في مجلس ويبدى كل منهم رأيه صراحة في المسألة وتتفق الآراء على حكم الواحد أو أن يفتي كل عالم في المسألة برأي وتتحد الفتاوي على شئ واحد وهو حجة عند الجمهور كما عرفنا."[1]

"اجماع صریح سے مراد ہے کسی معین مسئلے کے شرعی حکم پر مجتہدین کی جملہ آراء، ان کے اقوال یا افعال کی روشنی میں متفق ہو جائیں۔ مثلاً علماء کسی مجلس میں جمع ہوں اور ہر ایک اس مسئلے میں اپنی رائے صراحت سے بیان کرے اور بالآخر ایک ہی حکم شرعی پر ان کی آراء جمع ہو جائیں یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی مسئلہ میں ہر مفتی اپنی رائے بیان کرتے ہوئے کوئی فتویٰ جاری کرے اور بالآخر ان کے فتاوی ایک ہی رائے پر جمع ہو جائیں۔ اجماع کی یہ قسم جمہور کے نزدیک حجت ہے۔"

واضح رہے کہ یہ اتفاق صرف ایک مجلس یا صراحتاً اتفاق تک محدود ہے، تمام امت اس طرح ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ہر مسئلے میں صراحتاً اپنی رائے کا اظہار کرتی ہے لہٰذا ایسا اجماع صریح بعض علماء کے نزدیک حجت تو ہے جبکہ دوسرے علماء اس کے وقوع کو ناممکن قرار دیتے ہیں اور اسی اعتبار سے اس کے اجماع ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ اس بارے تفصیلی گذارشات پیچھے گذر چکی ہے کہ اس سے مراد ضروریات دین میں اجماع ہے کہ جس میں کسی عالم دین کا اختلاف کرنا ممکن نہ ہو۔

2۔اجماع سکوتی

اجماع صریح کے بالمقابل دوسری قسم اجماع سکوتی کی ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہ اجماع سکوتی کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هو أن يقول بعض المجتهدين في العصر الواحد قولاً في مسألة، و يسكت الباقون بعد اطلاعهم على هذا القول، من غير إنكار."[2]

"اجماع سکوتی یہ ہے کہ کسی زمانے میں کسی مسئلے میں مجتہدین کی ایک جماعت ایک بات کہے اور باقی مجتہدین اس قول کو جان لینے کے بعد بھی خاموش رہیں اور اس کا انکار نہ کریں۔"

ایسا سکوت جمیع علما کے ہاں ممکن الوقوع ہے، لیکن اس کی حجیت کے بارے علما کا اختلاف ہے۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اجماع سکوتی کی حجیت کے بارے علمائے اصول کے بارہ اقوال نقل کیے ہیں۔[3]

---

[1] الزحيلي، وهبة بن مصطفى، الدكتور، أصول الفقه الإسلامي:1/ 552، دار الفكر، دمشق

[2] أصول الفقه الإسلامي:1/ 552

[3] ارشاد الفحول: 1/ 224-226

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہ ان اقوال کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وللعلماء فيه خمسة مذاهب أولها مذهب الشافعي وعيسى بن أبان والباقلاني والمالكية: لايكون إجماعاً ولا حجة.ثانيها مذهب أكثر الحنفية والإمام أحمد: يعتبر إجماعاً وحجة قطعية.ثالثها مذهب أبي على الجبائى أنه إجماع بعد انقراض عصرهم لأن استمرارهم على السكوت إلى الموت يضعف الاحتمال. رابعها مذهب أبي هاشم بن أبي علي أنه ليس بإجماع لكنه حجة واختار الآمدي أنه إجماع ظني يحتج به وهو قريب من هذا المذهب وأيده ابن الحاجب في مختصره الكبير والكرخي من الحنفية.خامسها مذهب ابن أبي هريرة أنه إن كان القائل حاكماً لم يكن إجماعاً ولا حجة وإلا فهو إجماع وحجة."[1]

"اس مسئلے میں علما کے پانچ مذاہب ہیں۔ پہلا مذہب امام شافعی، عیسیٰ بن ابان (متوفیٰ 835ھ)، باقلانی رحمۃ اللہ علیہم اور مالکیہ کا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ نہ تو اجماع ہے اور نہ ہی حجت ہے۔ دوسرا مذہب جمہور حنفیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ اجماع اور قطعی حجت ہے۔ تیسرا مذہب ابو علی الجبائی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 303ھ) کا ہے کہ یہ اجماع تو ہے لیکن ان مجتہدین کے زمانہ کے گزر جانے کے بعد کیونکہ موت تک ان کا برابر خاموش رہنا مخالفت کے احتمال کو کمزور کر دیتا ہے۔ چوتھا مذہب ابو ہاشم کا ہے کہ یہ اجماع تو نہیں ہے لیکن حجت ہے۔ علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ یہ ایک ظنی اجماع ہے لیکن قابل احتجاج ہے۔ علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بھی چوتھی رائے کے قریب قریب ہے۔ ابن حاجب نے اپنی کتاب 'المختصر' میں اور حنفیہ میں سے امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 340ھ) نے بھی اسی مذہب کی تائید کی ہے۔ پانچواں قول ابن ابی ہریرۃ کا ہے کہ اگر قائل حاکم ہو تو یہ نہ تو اجماع ہو گا اور نہ ہی حجت اور اگر وہ حاکم نہ ہو تو یہ اجماع بھی ہے اور حجت بھی۔"

اجماع سکوتی پر عمل کرنے کی شرائط

جو علما اجماع سکوتی کی حجیت کے قائل ہیں، انہوں نے اس کے حجت ہونے کے لیے کچھ شرائط عائد کی ہیں. ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہ ان شرائط کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أما القائلون بحجية الإجماع السكوتي وهم (الحنفية والحنابلة) فقد اشترطوا في توافرها في هذا الإجماع: أن يكون السكوت مجرداً عن علامة الرضا أو الكراهة. وأن ينتشر الرأي المقول به من مجتهد بين أهل العصر. وتمضي مدة كافية للتأمل والبحث في المسألة. وأن تكون المسألة اجتهادية. وأن تنتفى الموانع التي تمنع من اعتبار هذا السكوت موافقة كالخوف من سلطان جائر أو عدم مضي مدة تكفي للبحث أو أن يكون الساكت ممن يرون أن كل مجتهد مصيب فلا ينكر ما يقوله

[1] أصول الفقه الإسلامي:1/ 552

غيره لأنه من مواضع الاجتهاد أو يعلم أنه لو أنكر لا يلتفت إليه، ونحو ذلك." [1]

"جو لوگ اجماع سکوتی کی حجیت کے قائل ہیں یعنی حنفیہ اور حنابلہ، انہوں نے اس اجماع کے پائے جانے میں چند شرائط عائد کی ہیں: **پہلی شرط** تو یہ ہے کہ مجتہدین کے ایک طبقے کا سکوت رضا یا کراہت کی علامات سے خالی ہو۔ **دوسری شرط** یہ ہے کہ جو رائے کسی ایک مجتہد کی طرف سے پیش کی گئی ہے' وہ اہل زمانہ میں پھیل جائے۔ **تیسری شرط** یہ ہے کہ مسئلے میں غور و فکر اور تحقیق کے لیے ایک مناسب مدت گزر چکی ہو۔ **چوتھی شرط** یہ ہے کہ مسئلہ اجتہادی ہو۔ **پانچویں شرط** یہ ہے کہ وہ رکاوٹیں موجود نہ ہوں جو اس سکوت کا اعتبار کرنے میں مانع ہوں جیسا کہ ظالم حکمران کا خوف یا تحقیق کے لیے مناسب مدت کا نہ پایا جانا یا سکوت اختیار کرنے والے مجتہدین وہ ہوں' جن کی یہ رائے ہو کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔ پس یہ لوگ اپنے علاوہ مجتہدین کے اقوال کا اس وجہ سے انکار نہ کرتے ہوں کہ یہ اجتہادی مسائل ہیں یا اس مجتہد کا یہ خیال ہو کہ اگر میں نے انکار بھی کیا تو کوئی توجہ نہ دے گا وغیرہ۔"

اجماع کی ایک اور تقسیم

ایک اور پہلو سے اجماع کی تقسیم یوں بھی کی گئی ہے: اجماع مرکب اجماع غیر مرکب

اجماع مرکب

علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ اجماع مرکب سے متعلق فرماتے ہیں:

"اگر کسی مسئلے کے حکم پر اتفاق اور علت میں اختلاف ہو تو ایسا اجماع مرکب ہے۔" [2]

ڈاکٹر احمد حسن اجماع مرکب کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مرکب وہ ہے جس میں کسی مسئلہ کے حکم کے بارے میں بہت سی رائیں اکٹھی ہو جائیں لیکن علت حکم میں اختلاف ہو۔ جیسے کسی شخص کو قے آ جائے اور اس حالت میں وہ کسی عورت کو ہاتھ بھی لگا بیٹھے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قے کے سبب سے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کو ہاتھ لگانے کے سبب سے۔ یہ اجماع دونوں علتوں میں سے ایک کے فاسد ہونے سے حجت کے قابل نہیں رہتا... اجماع مرکب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب مجتہدین کسی مسئلہ میں اختلاف کریں اور بعد کے دور میں مختلف مسالک کے فقہا علیحدہ علیحدہ ان میں سے کسی ایک رائے پر اتفاق کر لیں تو اب ان دو یا تین اقوال پر اجماع کیا جائے گا اور آئندہ لوگوں کو اس کا اختیار نہ ہو گا کہ اس مسئلہ میں کوئی تیسرا قول یا نظریہ اختیار کریں۔" [3]

---

1 أصول الفقه الإسلامي: 1/ 553

2 كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم: 1/ 240

3 احمد حسن، ڈاکٹر جامع الاصول اردو ترجمہ الوجیز فی اصول الفقہ: ص 241' 240، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد

اجماع غیر مرکب

اجماع غیر مرکب یہ ہے کہ مجتہدین کے درمیان حکم اور اس کی علت دونوں پر اتفاق رائے پایا جائے۔

ڈاکٹر احمد حسن اجماع غیر مرکب کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اس سے مراد یہ ہے کہ فقہاکا ایسے مسئلہ پر اتفاق ہو جس میں دو قول نہ ہوں بلکہ ایک قول ہو۔ اس میں امت کا ایسے مسائل پر اتفاق ہے جس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔ یہ عقائد اور فرائض میں اجماع ہے۔ جس مسئلہ میں صرف ایک رائے پر اتفاق ہو جائے اور تمام فقہاء اس کو تسلیم کر لیں تو وہ غیر مرکب ہے۔"[1]

'اجماع مرکب' کی ایک دوسری اصطلاح

بعض علمائے اصول کے ہاں 'اجماع مرکب' کی ایک اور تعریف بھی کی گئی ہے، وہ یہ کہ 'اجماع مرکب' اسے کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں مجتہدین کے درمیان کسی مسئلہ کے بارے میں اختلاف ہوا ہو اور اس میں دو یا زیادہ قول تسلیم کر لیے گئے ہوں تو گویا ان دو یا زیادہ آراء پر مجتہدین کا اجتماعی اتفاق ہو گیا ہے۔ ایسی صورتحال میں اکثر اہل علم کے ہاں اس مسئلہ میں تیسرے قول یا تیسری رائے کی اجازت نہیں ہوتی، کیونکہ اس کی اجازت دینا گویا 'اجماع مرکب' کو توڑنا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ اجماع کسی ایک رائے پر تمام مجتہدین کے اتفاق کو کہتے ہیں، چنانچہ دو یا زیادہ آراء کو اجتماعی اتفاق کا نام دینا بے بنیاد ہے اور 'اجماع مرکب' کوئی شے نہیں، بلکہ اس صورت مسئلہ میں اجماع غیر مرکب یعنی مفرد ہی ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک تیسری رائے بھی ہے اور وہ یہ کہ اختلاف کرنے والوں کے درمیان جس حد تک اتفاق ہے اس متفق علیہ قدر مشترک سے انحراف تو جائز نہیں، اگر تیسرا قول اختلاف کرنے والوں کے کا موقف متفق علیہ چیز سے نہیں ٹکراتا تو نیا قول لانے میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ کتب اصولوں میں اس کی کئی امثلہ دی گئی ہیں اور بظاہر اس مسئلہ میں یہی رائے قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے۔[2]

یہاں ہم تیسرے قول، جو متفق علیہ قدر سے نہیں ٹکراتا، کی ایک مثال سے وضاحت کرتے ہیں۔ اگر کسی میت کے ماں، باپ اور زوجین میں سے کوئی ایک ہو تو اس کے ترکہ کی تقسیم میں عصر اول کے فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کل مال کا تہائی حصہ ماں کو دیا جائے، کیونکہ وہ ذوی الفروض میں سے ہے، بقیہ میں سے زوجین میں جو بھی موجود ہو اس کو ملے گا، اگر بیوی ہے تو اسے چوتھائی اور شوہر ہے تو اسے آدھا، اس تقسیم کے بعد جو بچے گا وہ سب باپ کو ملے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پہلے زوجین میں سے جو موجود ہو اس کو کل جائیداد میں سے حصہ دیا جائیگا، جو باقی بچے گا اس کا تہائی حصہ ماں کو دیا جائیگا اور اس کے بعد جو بچے گا، وہ باپ کو

[1] جامع الاصول اردو ترجمہ الوجیز: ص 240-241

[2] الشاشي، نظام أبو علي أحمد بن محمد، أصول الشاشي: ص 131-134، دار الكتب العربي، بيروت

عصبہ ہونے کے سبب دیا جائیگا۔ تابعین کے زمانہ میں اس مسئلہ میں امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ (110ھ) نے یہ رائے اختیار کی تھی کہ اگر ماں باپ کے ساتھ میت کی بیوی موجود ہو تو ماں کو کل جائیداد کا تہائی حصہ دیا جائیگا، لیکن ماں باپ کے ساتھ اگر شوہر موجود ہو تو کل جائیداد میں سے شوہر کا حصہ پہلے نکالا جائیگا، اس کے بعد بقیہ جائیداد کا تہائی حصہ ماں کو ملے گا۔ یہ قول مذکورہ بالا دونوں اقوال کے درمیان جو قدر مشترک ہے اس سے متصادم نہیں ہے، اس لیے یہ اجماع کو نہیں توڑتا۔

اس کی دوسری مثال یہ بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ عصر اول کے فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر بیوی برص، جنون، دماغی خلل میں مبتلا ہو یا اس میں رتق (اندام نہانی کا بند ہونا) یا قرن (شرمگاہ میں ہڈی کا ہونا) جیسے عیوب ہوں تو شوہر کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے یا نہیں۔ ایک فریق کی رائے یہ ہے کہ ان تمام عیوب کی موجودگی میں اس کو فسخ کا حق حاصل ہے، دوسرے فریق کی رائے یہ ہے کہ چونکہ شوہر کو طلاق کا حق حاصل ہے، اس لیے فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہے، وہ اس کو طلاق دے سکتا ہے۔ اب اگر تیسرا قول یہ ہو کہ فلاں فلاں عیب کی صورت میں نکاح فسخ ہو سکتا ہے اور فلاں عیب کی صورت میں نہیں، تو یہ بھی جائز ہو گا، اس لیے کہ اس سے اجماع مرکب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔[1]

کیا اجماع کتاب وسنت کی کسی نص کو منسوخ کر سکتا ہے؟

حالانکہ اس چیز کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اجماع کا وجود ہی عہد رسالت کے بعد ہوا ہے۔ اس کا مرتبہ کتاب وسنت کے بعد ہے اور نسخ بھی عہد رسالت میں ہی ممکن ہے، لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں ایک گروہ کی طرف اشارہ کیا ہے جیسے بعض حنفی اور مالکی متکلمین اور بعض معتزلہ جیسے عیسیٰ بن ابان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اجماع سے کتاب وسنت منسوخ ہو سکتے ہیں۔ پھر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”ہم ان حضرات کی بات کی یہ تاویل کیا کرتے تھے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ اجماع سے کسی ناسخ نص کا پتہ چلتا ہے، لیکن بعض لوگوں نے ہمیں بتایا کہ یہ لوگ خود اجماع کو ناسخ مانتے ہیں۔ اگر ان کی مراد واقعتاً یہ ہے تو یہ ایک ایسا قول ہے جس سے مسلمانوں کے لیے جائز قرار پاتا ہے کہ وہ اپنے نبی کے بعد اپنے دین میں جو چاہیں تبدیلی کرلیں، جیسا کہ نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے ان کے علما کے لیے جائز قرار دیا ہے کہ جس چیز کے حرام ٹھہرانے میں وہ کوئی مصلحت سمجھیں، اسے حرام قرار دے لیں اور جس چیز کے حلال ہونے میں وہ کوئی مصلحت دیکھیں اسے حلال قرار دے لیں، لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہو سکتا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے اپنے لیے جائز سمجھتے تھے۔“[2]

---

1 جامع الاصول اردو ترجمہ الوجیز: ص 230-233

2 صالح بن عبدالعزیز، آل منصور، دکتور، أصول الفقه وابن تيمية: 1/ 328، الطبعة الأولى، 1980

اگر متقدمین میں کسی مسئلہ میں دو قول ہوں تو کیا متاخرین میں کسی ایک قول پر اجماع کا ہو جانا ممکن ہے؟

بہت سے شافعی علمائے کرام نے اس کی شدت سے تردید کی ہے اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ بھی اسے ممکنات میں سے خیال نہیں کرتے، کیونکہ صحابہ کرام اور مسلمہ شخصیات نے اگر کسی مسئلہ میں اختلاف کیا اور اس مسئلہ میں ان کے دو قول ہو گئے تو اس اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاملہ بدیہی نہیں، بلکہ نظری و احتمالی ہے اور انہی احتمالات کے سبب متقدمین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہوا۔ کسی نظری مسئلہ میں عام لوگوں کا اتفاق ہو جانا ممکن نہیں، کجا یہ کہ صحابہ اور آئمہ دین کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ انہوں نے بغیر کسی غور کے باہم اختلاف کر لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صورتحال میں اس مسئلہ میں کوئی ایسا گہرا پہلو تھا، جو بہر حال اجماع کے وقوع میں مانع بنا، چنانچہ بعد والوں کا اجماع اس پہلے سے موجود اختلاف کو رفع نہیں کر سکتا، کیونکہ اس طرح سے بعد والوں کا ان دو میں سے کسی ایک قول پر متفق ہو جانا محال ہے۔ اجماع کے دعوے کی صورت میں بہت ممکن ہے کہ بوقتِ اجماع کوئی ایسا عالم پایا جائے جو اس اجماع کا مخالف اور پہلے سے موجود اختلافی رائے میں کسی دوسرے قول کا حامی ہو، کیونکہ پیچھے یہ بحث گذر چکی ہے کہ اساسیات اور بدیہیات میں اجماع ممکن الوقوع ہے، جبکہ نظری امور میں اجماع کے دعوے عموماً جھوٹے ہوتے ہیں۔[1]

ہماری رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر اختلاف کا سبب کوئی ایسا وصف یا اشکال تھا جو اتفاق سے صحیح نہیں رہا اور بعد کے زمانوں میں متعدد وجوہ کی بنا پر وہ زائل یا حل ہو گیا تو اس صورت میں اجماع کا وقوع ممکن ہے۔ اس لیے کہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ بعض پرانے حالات میں محتمل اور ظنی ہوتا ہے، لیکن تمدن کی تبدیلی اور زمانہ کی ترقی کوئی ایسا نیا تجربہ پیش کرتی ہے کہ وہ وصف تبدیل ہو جاتا ہے اور اجماع سے مانع اشکال رفع ہو جاتا ہے، سو اس قسم کے حالات میں عملاً اجماع کا وقوع بعید نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علمائے اصول کے ہاں تمدن کی تبدیلی کے تحت اختلاف تو کیا، اجماعی مسئلہ کے بالمقابل نئی صورتحال سامنے آنے جانے کی صورت میں دوسرے اجماع کا وقوع بھی ممکن ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے بعض علمائے احناف اور شوافع نے مذکورہ مسئلہ میں یہی رائے پیش کی ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہے، اگرچہ نادر ہے۔[2]

کیا ایک اجماع کے بعد دوسرا اجماع ہو سکتا ہے؟

جمہور کی رائے کے مطابق یہ ممکن نہیں کیونکہ اس سے پہلے اجماع کی مخالفت ہو گی، جو اپنی جگہ حجت ہے اور

---

[1] أصول الفقه وابن تيمية: 1/ 333

[2] الإحكام للآمدي: 1/ 275

اس کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی، کجایہ کہ سب اس کی خلاف ورزی پر اجماع کرلیں۔[1] البتہ اگر تبدیلی حالات سے اجماع کا وہ وصف ہی تبدیل ہو جائے، جس کی بنا پر وہ اجماع معرض وجود میں آیا تھا تو ایسی صورت میں دوسرا اجماع ہو جانا ممکن ہے، کیونکہ یہ اجماع پہلے اتفاق کے بالمقابل نہیں، بلکہ ایک دوسری صورت پر اجماع سے تعلق رکھتا ہے۔

عوام کا اجماع معتبر یا علما کا؟

اس حوالے سے اجماع کی دو طرح تقسیم کی گئی ہے: 1۔اجماع عام اور 2۔اجماع خاص

1۔اجماع عام

کسی فن کے ماہرین کا اسی فن کے کسی مسئلہ پر اتفاق ہو جائے، مثلاً نحو و صرف یا طب کے کسی مسئلہ پر اتفاق ہو جائے۔ متقدمین علمائے کرام اس کو حجت تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کو ایک مستند قول کی حیثیت سے لیتے ہیں۔[2]

2۔اجماع خاص

اس سے مراد وہ اجماع ہے جس کی متعدد تعریفات ہم صفحات بالا میں رقم کر چکے ہیں۔[3] اجماع کے ضمن میں ہم تمام مسلمانوں کو تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

1۔بچے اور مجنون

2۔اہل اجتہاد یا اہل حل و عقد

3۔عام مسلمان اور وہ علما جنہیں اجتہاد کا ملکہ حاصل نہیں۔

ان میں سے پہلی قسم اجماع کے اعتبار سے لفظ 'امت' میں داخل نہیں۔ دوسری قسم میں شامل افراد امت میں داخل ہیں اور اجماع میں ان کی موافقت نہایت ضروری ہے۔ تیسری قسم کے بارے میں اختلاف ہے کہ اجماع کے انعقاد میں ان کا اعتبار ہو گا یا نہیں۔[4] جمہور کے نزدیک اجماع میں ایسے فریق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔[5]

---

1 محمد أبو زهرة، أصول الفقه: 1/ 211، دار الفكر العربي، القاهرة

2 ارشاد الفحول : 1/ 310

3 الرازي، محمد بن عمر بن الحسين، المحصول في علم أصول الفقه: 4/ 198، مؤسسة الرسالة ، بيروت، الطبعة الأولى، 2008م

4 كشف الأسرار شرح بزدوی: 3/ 239

5 الإحكام في أصول الأحكام للآمدي: 1/ 115

دراصل احکام شرع کی دو قسمیں ہیں:

وہ ضروریات دین یا امہات شرائع، جن کے ادراک میں نہ خواص و عوام کی کوئی تخصیص ہے اور نہ کسی علمی رائے کی ضرورت، مثلاً نقل قرآن یا نماز، روزہ اور زکوۃ وغیرہ کی فرضیت۔ ان پر اجماع کے لئے عوام و خواص سب کا اعتبار کیا جائے گا۔ احکام شرع کی دوسری قسم وہ ہے جس سے صرف علما اور اہل اجتہاد واقف ہوتے ہیں مثلاً نماز، نکاح و طلاق اور بیع وغیرہ کی تفصیلات۔ اس میں صرف اہل علم و اجتہاد کا اتفاق معتبر ہو گا۔[1]

اجماع اہل مدینہ (تعامل اہل مدینہ)

اہل مدینہ کے اجماع و تعامل کے حجت ہونے کے بارے اہل علم کے دو موقف کتب اصول میں موجود ہیں:

اہل مدینہ کا اجماع حجت ہے، اس کے قائلین مالکیہ ہیں۔[2] اور اہل مدینہ کا اجماع قابل حجت نہیں ہے، یہ جمہور کا موقف ہے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ جمہور کے موقف کی نمائندگی میں لکھتے ہیں:

"إجماع أهل المدينة على انفرادهم ليس بحجة عند الجمهور ، لأنهم بعض الأمة."[3]

"جمہور کے نزدیک صرف اہل مدینہ کا اجماع حجت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ امت کا ایک حصہ ہیں (نہ کہ پوری امت)۔"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 179ھ) نے لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 175ھ) کو ایک خط لکھا کہ جس میں ان کے ایک فتویٰ پر اظہار ناراضگی کیا اور انہیں اس فتویٰ سے رجوع کی رغبت دلائی، کیونکہ وہ مدینہ منورہ کے رواج کے خلاف تھا۔ اس خط میں امام صاحب نے تعامل مدینہ کی اہمیت بتانے کے لیے کچھ دلائل بھی دیئے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

1. اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ﴾[4]

"اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔"

---

[1] كشف الأسرار شرح بزدوي :3/ 239

[2] الإحكام للآمدي:1/ 349

[3] إرشاد الفحول: 1/ 292

[4] سورة التوبة:9:100

2. اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ﴾[1]

”میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر جو بہترین بات ہو اس کی پیروی کرتے ہیں۔“

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام لیث رحمۃ اللہ علیہ کو اس خط میں لکھتے ہیں:

”لازم ہے کہ تو اپنے نفس کے بارے میں محتاط رہے اور جس دلیل کی اتباع میں نجات ہے اس کو تلاش کرے۔“

پھر امام موصوف نے مذکورہ بالا دونوں آیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

”فإنما الناس تبع لأهل المدينة.“[2]

”بے شک لوگ اہل مدینہ کی پیروی کرتے ہیں۔“

امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا مدعا یہ تھا کہ اہل مدینہ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سابقین اولین انصار و مہاجرین کی پیروی کی، چنانچہ اہل مدینہ کی اتباع ہی بہترین اتباع ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اہل مدینہ وحی کے نزول کے وقت موجود تھے، چنانچہ وہ دوسرے لوگوں سے زیادہ حلال و حرام کو جاننے والے ہیں۔

3. اجماع اہل مدینہ کے حق میں درج ذیل حدیث کو بھی پیش کیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إن المدينة لتنفي خبثها كما ينفي الكير خبث الحديد»[3]

”بے شک مدینہ منورہ اپنی گندگی کو دور پھینک دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کی گندگی (زنگ) کو دور کر دیتی ہے۔“

علمائے اصول میں سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں صرف اہل مدینہ کا اجماع ہی حجت ہے۔[4] اور دیگر بعض اہل علم نے اس کی صراحت کی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہل مدینہ کے علاوہ کسی اور اجماع کو حجت تسلیم ہی نہیں کرتے تھے،[5] لیکن نامور فقیہ ابن امیر الحاج (متوفیٰ 879ھ) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ علامہ ابن بکر ابو یعقوب رازی، علامہ طیالسی، قاضی ابو الفرج اور قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہم نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اجماع کے عام تصور کے حوالے سے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ دیگر

---

1 سورۃ الزمر: 39: 17-18

2 اليحصبي، أبو الفضل القاضي، عياض بن موسى، ترتيب المدارك وتقريب المسالك: 1/ 64، مطبعة فضالة، المحمدية، المغرب، الطبعة الأولى

3 ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر، فتح الباري: 4/ 82، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، 2000م

4 المستصفیٰ: 1/ 187

5 التوضيح والتلويح: 2/ 428

ائمہ کے ساتھ ہی ہیں، البتہ اجماع اہل مدینہ میں ان کا دیگر ائمہ سے امتیازی مسلک ہے۔[1]

اجماع و تعامل اہل مدینہ کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کا تجزیہ

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اجماع و تعامل اہل مدینہ کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی آراء پر بہت جاندار جائزہ پیش کیا ہے، اسے ذیل میں مختصراً ذکر کرتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عام طور مشہور یہ ہے کہ وہ مطلقاً اہل مدینہ کے اجماع کو حجت مانتے تھے، لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، بلکہ وہ اہل مدینہ کے تعامل کو چار مراتب میں تقسیم کرتے ہیں:

پہلا مرتبہ یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے منقول چلا آرہا ہو، جیسے صاع اور مد کی مقداریں اور سبزیوں پر کسی زکاۃ کا نہ ہونا۔ اس کے حجت ہونے پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے تمام علماء کا اتفاق ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ آئے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی ملاقات ہوئی تو اس مسئلہ کے حوالے سے انہوں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ اے ابو عبد اللہ! میں آپ کے قول کی طرف رجوع کرتا ہوں اور میں نے جو کچھ دیکھا ہے اگر میرے استاد ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی دیکھ لیتے تو وہ بھی اسی رائے کی طرف رجوع کر لیتے، جیسے میں نے رجوع کیا ہے۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے کے زمانہ سے منقول ہو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں یہ حجت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے قائل ہیں اور بظاہر یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مذہب ہے۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں دو حدیثیں یا دو قیاس متعارض ہوں اور یہ پتہ نہ چل رہا ہو کہ ان میں کس کو دوسرے پر ترجیح دی جائے، جب کہ ان میں سے ایک پر اہل مدینہ کا عمل ہو تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور (ایک روایت میں) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جس حدیث یا قیاس کی تائید اہل مدینہ کے عمل سے ہوتی ہو اسے ترجیح دی جائے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور (ایک روایت میں) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اسے ترجیح نہ دی جائے۔

چوتھا مرتبہ اہل مدینہ کے متاخر عمل کا ہے۔ اس کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ یہ نہ صرف جمہور اہل علم کے ہاں حجت نہیں، بلکہ خود محقق مالکی علما بھی اس کے قائل نہیں ہیں، جیسے قاضی عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 422ھ) اور ابو الولید الباجی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 474ھ) وغیرہ مالکی علمانے وضاحت کی ہے کہ خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اسے ایسی حجت نہیں مانتے تھے، جس کا اتباع کرنا تمام مسلمانوں کے لیے واجب ہو۔ اگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں اس کی یہ حیثیت

---

[1] أبو عبد الله، شمس الدين محمد بن محمد، التقرير والتحبير على تحرير الكمال: 3/ 100، دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية، 1983م

ہوتی تو وہ کبھی بھی خلیفہ ہارون الرشید کو موطا امام مالک کو بطور قانون نافذ کرنے سے منع نہ کرتے۔[1]

تعامل اہل مدینہ کی حجیت کے بارے میں مشہور مالکی فقیہ قاضی عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کے اجماع کی دو قسمیں ہیں: اجماع نقلی، اجماع استدلالی

پھر **نقلی اجماع** تین صورتوں پر مشتمل ہے:

① وہ بات جو نبی ﷺ سے ابتدا ہی سے منقول ہو، جیسا کہ اہل مدینہ کی اذان اور اوقات نماز کے سلسلے کی روایات۔

② ایسا تعامل جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے منقول چلا آرہا ہو، جیسے کہ صاع اور مد کی مقداریں۔

③ وہ بات کسی اقرار سے منقول ہو جیسے کہ ان حضرات کا سبزیوں وغیرہ سے زکوٰۃ وصول نہ کرنا، حالانکہ مدینہ میں سبزیاں کاشت کی جاتی تھیں۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے عشر وصول نہیں کرتے تھے۔

ایسے مسائل میں اہل مدینہ کا اجماع حجت ہے۔[2] **استدلالی اجماع** یہ ہے کہ اہل مدینہ کے مجتہدین کسی رائے تک اجتہاد کے ذریعے پہنچیں۔ ایسے مسائل میں ان کا اجماع حجت نہیں۔"[3]

مراتب اجماع

اجماع کے چار مراتب بیان کیے گئے ہیں، جن کی مختصر وضاحت ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

① کسی مسئلہ میں تمام صحابہ کرام کا اتفاق ہو جائے۔ ایسا اجماع قرآن مجید کی آیت کی طرح ہے اور ایسے اجماع کا انکار کرنا احناف کے نزدیک کفر ہے۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اتفاق کا اظہار کیا تھا۔

② کسی مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایسا اتفاق سامنے آئے کہ جس میں بعض صحابہ نے خاموشی اختیار کی ہو اور اپنی رائے کا اظہار نہ کیا ہو۔ علمائے کرام نے ایسے اجماع کو حدیث متواتر کے برابر درجہ دیا ہے۔ جیسے عہد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا فیصلہ کیا۔ ابتداءً بعض صحابہ نے اس کی مخالفت کی لیکن بعد میں سب متفق ہو گئے۔ بہت سے صحابہ کرام کی طرف سے یہ اتفاق سکوت کی صورت میں سامنے آیا۔

③ اجماع کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ تابعین و تبع تابعین کسی مسئلہ میں متفق ہو جائیں۔ اس اجماع کو حدیث مشہور

---

[1] أصول الفقه وابن تيمية: 1/ 333

[2] التقرير والتحبير على تحرير الكمال: 3/ 100

[3] إرشاد الفحول: 1/ 293

کے برابر شمار کیا گیا ہے۔

④ بعد میں آنے والوں کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین میں کسی کے قول پر اتفاق کر لینا۔ یہ سب سے کم درجہ کا اجماع ہے۔[1]

اصولِ 'اجماع' کا خصوصی تجزیہ

شروع میں ہم نے اجماع کی لغوی اور فنی و اصطلاحی تعریف پر بحث کی ہے۔ 'اجماع' کی یہ تعریف دراصل متاخرین کی وضع کردہ ہے۔ متقدمین اہل علم کے نزدیک الفاظ کی نسبت معانی و تصورات (concepts) زیادہ اہم تھے لہٰذا ان کی زیادہ کوشش معانی و تصورات کی وضاحت پر صرف ہوتی تھی۔ وہ کسی لفظ کے لغوی معنیٰ میں کچھ مزید معنیٰ شامل کرتے ہوئے اسے ایک عرفی معنیٰ میں استعمال کر لیتے تھے جو بعد ازاں مختلف شروط و قیود کے ساتھ متاخرین کے ہاں اصطلاح بن جاتی تھی اور متاخرین اپنی اصطلاحات کو جامع و مانع بنانے کی کوشش میں الفاظ وعبارات کا اختلاف اور شروط و قیود کے اضافے منطقی طور پر جامع مانع تعریفات کے لیے کرتے رہتے تھے۔ گویا متاخرین میں یونانی فلسفہ و منطق کے در آنے کے سبب سے معانی کی بجائے الفاظ نے زیادہ اہمیت اختیار کر لی اور معانی و تصورات کی صراحت کی بجائے فنی تعریفات کے الفاظ کا ہیر پھیر ہی بحث و تحقیق کا اصل جوہر قرار پایا۔ یہی وجہ ہے کہ متاخرین کی فنی اصطلاح اجماع سے مراد کسی زمانے میں جزوی رائے پر جمیع علمائے مجتہدین کا اتفاق ہے، لیکن پر اس قدر عقلی و منطقی اعتراضات کی بھرمار ہے کہ جن کا جواب دینا بہت مشکل ہے۔[2] بلکہ متاخرین کو صحابہ کے زمانے میں بھی کسی جزوی اجتہادی مسئلہ میں تمام مجتہد علماء کا اتفاق ثابت کرنا بھی ایک مشکل نظر آتا ہے۔

ابو بکر الجصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"والذي يتضح من النصوص التي أوردناها أن الاجماع الكامل وهو معرفة جميع آراء الفقهاء والمجتهدين صراحة في المسألة لم يقع في عهد الصحابة وذلك أنه رغم القامة الجبرية التي فرضها عمر علي الفقهاء في خلافته كان هو بنفسه يرسل القضاة الفقهاء إلى الأمصار ليحكموا بين الناس كرساله أبا موسى الأشعرى إلى البصرة مثلا ليقضى بين الناس وهو الفقيه الذي يعد أحد الفقهاء في عصر الرسول ولم يكن يستخرج رأيه أو أقل ما يقال لم يعرف أنه استخرج رأيه في المسائل التي عرضت لعمر والتي لم يعرف لها حكما لا من كتاب ولا سنة ولهذا يمكن أن نقول أن الجماع الذي كان على عهد الصحابه رضى الله عنهم هو إجماع الفقهاء حاضرى مركز الخلافة أما من سواهم من الفقهاء والمجتهدين فإجماعهم يكون تبعاً لإجماع الذى صدق عليه الخليفة وعمل

---

[1] جامع الاصول اردو ترجمہ الوجیز فی اصول الفقہ: ص 239

[2] إرشاد الفحول: 1/ 267

به وأفتى الناس عليه وإن كان قولهم إن خالفوا يعتد به." [1]

"جن نصوص کا ہم نے تذکرہ کیا ہے' ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اجماع کامل یعنی صراحتاجزوی مسائل میں جمیع فقہاء اور مجتہدین کی آراء کی معرفت صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی واقع نہیں ہوئیں۔ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں فقہاء صحابہ کو جبری طور پر اپنے ہاں مدینے میں ٹھہرا رکھا تھا۔ تاہم وہ خود مختلف شہروں کی طرف فقہاء قاضیوں کو لوگوں کے مابین فیصلوں کے لیے بھیجتے رہے تھے جیسا کہ انہوں نے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ لوگوں کے مابین فیصلے کریں حالانکہ ابو موسی اشعری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بھی فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اپنے زمانے کے پیش آمدہ مسائل) میں ان سے رائے طلب نہیں کرتے تھے یا کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ سے یہ معلوم نہیں ہوا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی ان سے ایسے مسائل میں رائے طلب کی ہو جو انہیں مرکز خلافت میں درپیش آتے ہوں اور ان کا حکم کتاب وسنت سے معلوم نہ ہو سکتا ہو۔ اسی لیے ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کا اجماع بھی صرف مرکز خلافت مدینہ منورہ میں موجود فقہاء کا اجماع ہوتا تھا۔ جبکہ ان کے سواء دیگر شہروں کے فقہاء اور مجتہدین کا اجماع اس اجماع کے تابع ہوتا تھا جس کی تصدیق خلیفہ کی طرف سے ہوتی تھی اور خلیفہ اس پر عمل کرتا اور اس کے مطابق لوگوں کو فتوی دیتا تھا۔ اور اگر ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے خلیفہ کے قول کی مخالفت کی ہوتی تو اس کا اعتبار ہوتا۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ متقدمین کا دور ہے اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اصل زور اجماع کے بنیادی تصور پر ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرا کام یہ کیا کہ اجماع کے بارے معاصر اسلامی معاشروں میں جو کچھ غلط تصورات رائج ہو رہے تھے تو انہوں نے اسکی تصحیح کا بھی فریضہ سرانجام دیا۔ اور اس کی تفصیل ہمیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'جماع العلم' میں ملتی ہے۔ [2]

ائمہ اہل الحدیث کا تصورِ اجماع

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجماع سے مراد اہل علم کی عرفی رائے ہے۔ اجماع کے بارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے دراصل ائمہ اہل الحدیث کے تصور اجماع کا تسلسل ہے۔ اسی معنیٰ میں اجماع کے قائلین میں سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اجماع یا تعامل اہل مدینہ کو صرف اس معنیٰ میں حجت قرار دیا ہے۔ یہ مدینہ منورہ کے صحابہ کے دور کا تعامل تھا کہ جس کی روایت کو اجماع کہا جا رہا ہے۔ علامہ

---

1 الإجماع: ص13-14

2 الشافعي، محمد بن إدريس، جماع العلم: ص63، دار الفتح، الشارقة، الطبعة الأولى، 1995ء

الباجی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جس اجماع اہل مدینہ کو حجت مانتے تھے وہ اس عرفی روایت پر اہل مدینہ کا اتفاق تھا جو روایت صحابہ کے دور سے چلی آرہی تھی جیسا کہ صاع، مد، اذان، اقامت اور سبزیوں میں زکاۃ نہ ہونے جیسے مسائل میں اہل مدینہ کا اتفاق ہے۔ اور یہ مسائل ایسے ہیں جن میں اہل مدینہ کے اتفاق کی بنیاد وہ عرفی روایت ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور سے چلی آرہی ہو۔[1] امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اگر اجتہادی مسائل میں اہل مدینہ کے اتفاق کو حجت سمجھتے تو اپنی مؤطا میں "العيب في الرقيق جماع أهل المدينة على أن البيع بشرط البراءة لايجوز، ولايبرئ أصلا علمه أو جهله" کے نام سے باب قائم کر کے اس مسئلہ میں اہل مدینہ کی مخالفت نہ کرتے۔[2]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قال الشافعي: فقال لي قائل: قد فهمت مذهبك في أحكام الله ثم أحكام رسوله وإن من قبل عن رسول الله فعن الله قبل بأن الله افترض طاعة رسوله وقامت الحجة بما قلت بأن لا يحل لمسلم علم كتاباً ولا سنة أن يقول بخلاف واحد منهما وعلمت أن هذا فرض الله فما حجتك في أن تتبع ما اجتمع الناس عليه مما ليس منه نص حكم الله ولم يحكوه عن النبيﷺ أتزعم ما يقول غيرك أن إجماعهم لا يكون أبدا إلا على سنة ثابتة وإن لم يحكوها قال فقلت له أما ما اجتمعوا عليه فذكروا أنه حكاية عن رسول الله فكما قالوا إن شاء الله وأما ما لم يحكوه فاحتمل أن يكون قالوا حكاية عن رسول اللهﷺ واحتمل غيره ولا يجوز أن نعده له حكاية لأنه لا يجوز أن يحكي لا مسموعاً."[3]

"امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک کہنے والے نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ اور پھر اس کے رسول ﷺ کے احکام کے بارے آپ کا مذہب اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ پس جو شخص بھی اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے خبر کو قبول کرے گا وہ اللہ ہی کی خبر قبول کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کو فرض کیا ہے اور جو کچھ (دلائل) آپ نے (اس مسئلے میں) بیان کیے ہیں اس سے حجت قائم ہو جاتی ہے کہ کسی بھی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کتاب وسنت کی خبر پہنچ جانے کے بعد اس کی مخالفت کرے اور میں نے یہ بھی جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس (طرز عمل) کو فرض قرار دیا ہے لیکن یہ بتلائیں کہ جس بات پر لوگوں کا اجماع ہو گیا ہو اس کے اتباع کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے جبکہ اس (اجماع) کے بارے میں کتاب اللہ کی نہ تو کوئی نص موجود ہو اور نہ ہی کوئی ایسی روایت ہو جسے لوگ اللہ کے رسول ﷺ سے بیان کر رہے ہوں۔ (سائل نے مزید کہا) کیا آپ کا موقف بھی وہی ہے جو آپ کے علاوہ بعض علماء کا ہے کہ اجماع ہمیشہ کسی ایسی سنت پر ہو گا جو کہ ثابت ہو اگرچہ لوگ اس سنت کو آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ کر رہے ہوں۔ میں نے کہا: اگر تو کسی بات پر ان کا اجماع ہو گیا

---

1 إرشادالفحول: 1/ 218

2 أيضاً

3 الرسالة: ص471-472

ہے اور وہ اسے اللہ کے رسول ﷺ سے نقل بھی کر رہے ہیں تو اس کا معاملہ تو ویسا ہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ جیسا کہ انہوں نے بیان کیا ہے (یعنی آپ ﷺ سے ثابت ہونے کی وجہ سے دین ہے) اور جس کو انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیان نہیں کیا ہے (لیکن اس کے دین ہونے پر ان کا اجماع ہے) تو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے یہ بات اللہ کے رسول ﷺ سے نقل کی ہو اور اس کے غیر کا بھی احتمال ہے۔ ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اس قسم کے اجماع کو اللہ کے رسول ﷺ سے منقول قرار دیں کیونکہ آپ ﷺ سے اسی چیز کی حکایت جائز ہے جو سن کر نقل کی گئی ہو۔"

امام شافعی رحمہ اللہ کا اجماع کے بارے یہ بھی کہنا ہے کہ اجماع صرف ضروریات دین یا اصول دین میں ممکن ہے، اس سے بھی ان کی مراد یہی ہے کہ اصول دین میں ہی اہل علم کی متفق علیہ رائے عرف سے معلوم کی جا سکتی ہے اور جہاں تک اجتہادی یا فروعی مسائل کا تعلق ہے تو ان میں اہل علم کا اتفاق ممکن نہیں ہے اور علما کے معروف اختلافات اس بات کی صریح دلیل ہیں۔[1]

اصولیین نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اجماع کا رد کر دیا،[2] لیکن انہوں نے جس اجماع کا رد کیا وہ دراصل وہ مزعومہ فنی اجماع ہے جس کی صدائے بازگشت بعض اہل علم کی طرف سے امام احمد رحمہ اللہ کے زمانہ میں ہی گونجنا شروع ہو گئی تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے اصول اجماع کے بارے میں تصورات

امام بخاری رحمہ اللہ کا اجماع کے بارے موقف وہی ہے جو ائمہ اہل الحدیث والأثر کا ہے کہ اجماع سے مراد اہل علم کی عرفی رائے ہے اور اس کا خلاف چونکہ گمراہی کا سبب ہے لہٰذا جائز نہیں ہے۔

ہم امام موصوف رحمہ اللہ کے اس حوالے سے افکار کے تفصیلی جائزے کو ذیل کے عنوانات کی صورت میں واضح کریں گے:

1. اجماع کی حجیت

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ایک باب یوں قائم کیا ہے:

"باب قوله تعالى: ﴿وكذلك جعلنكم أمة وسطا﴾ وما أمر النبى ﷺ بلزوم الجماعة وهم أهل العلم."

"اللہ کے قول اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا اور اللہ کے رسول ﷺ نے جو جماعت کے

[1] الرسالة: ص 357-359

[2] إعلام الموقعين: 4/ 30

لزوم کا حکم دیا اور اس جماعت سے مراد اہل علم کی جماعت ہے۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے تحت درج ذیل روایت لائے ہیں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: « يُجَاءُ بِنُوحٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ هَلْ بَلَّغْتَ فَيَقُولُ نَعَمْ يَا رَبِّ . فَتُسْأَلُ أُمَّتُهُ هَلْ بَلَّغَكُمْ فَيَقُولُونَ مَا جَاءَنَا مِنْ نَذِيرٍ . فَيَقُولُ مَنْ شُهُودُكَ فَيَقُولُ مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ . فَيُجَاءُ بِكُمْ فَتَشْهَدُونَ » . ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ﴿ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ قَالَ عَدْلاً ﴿لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾.[1]

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ قیامت والے دن حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ آپ نے پہنچا دیا تو وہ جواب دیں گے کہ جی ہاں! میرے رب، پس ان کی امت سے سوال کیا جائے گا کہ کیا حضرت نوح علیہ السلام نے تم تک اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا تو وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا ہی نہیں آیا۔ پس اللہ تعالی حضرت نوح علیہ السلام سے سوال کریں گے کہ آپ کے گواہ کون ہیں؟ تو وہ کہیں گے محمد ﷺ اور ان کی امت۔ پس تمہیں یعنی امت محمدیہ ﷺ کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں امت وسط یعنی معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور رسول ﷺ تم پر گواہ بن جائیں۔"

اس روایت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اجماع کی حجیت کو ثابت کیا ہے کہ قیامت والے امت محمدیہ ﷺ کے اہل علم کی جماعت کا نبیوں کے حق میں گواہی دینا اور ان کی گواہی کی بنیاد پر فیصلہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا اتفاق شرعی مسائل میں حجت، گواہی اور دلیل ہے۔ اگر تو ان کی گواہی یا شہادت حجت نہ ہوتی تو انہیں قیامت کے دن کے فیصلوں کی بنیاد نہ بنایا جاتا۔ ایک دوسری روایت میں اللہ کے رسول ﷺ نے لزوم جماعت کا حکم دیا ہے اور لزوم جماعت کا حکم بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے کیونکہ جماعت سے مراد اہل علم کی جماعت ہے۔ پس اہل علم کی وہ جماعت جو حق پر قائم ہو، اس کی اجتماعی رائے امت کے حق میں حجت بن جائے گی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ "باب قول النبي ﷺ لاتزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق يقاتلون وهم أهل العلم." کے تحت درج ذیل روایت لائے ہیں:

عن المغيرة بن شعبة عن النبى ﷺ قال: «لا يزال طائفة من أمتى ظاهرين حتى يأتيهم أمر الله وهم ظاهرون»[2]

"مغیرہ بن شعبہ اللہ کے رسول ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر غالب رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا حکم یعنی قیامت قائم ہو جائے اور وہ پھر بھی غالب رہیں گے۔"

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قوله تعالى: وكذلك جعلناكم...، :7349

[2] صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة: 6881

2. اجماع کی تعریف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی الجامع میں ایک اور باب اس عنوان سے قائم کیا ہے:

باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: « لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ يُقَاتِلُونَ » . وَهُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ.[1]

”اللہ کے نبی ﷺ کے اس قول کا بیان کہ میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہتے ہوئے لڑتا رہے گا اور وہ اہل علم کا گروہ ہے۔“

اس باب کے عنوان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک 'امت وسط' اور لزوم 'جماعت' سے مراد اہل علم ہیں۔ پس ایک بات تو واضح طور معلوم ہو گئی کہ امام صاحب کے نزدیک اجماع سے مراد امت یا عوام کے فرد فرد کا اتفاق نہیں ہے بلکہ صرف اہل علم کے مجموعی اتفاق کا نام اجماع ہے اور عوام کا اتفاق اہل علم کے اتفاق کے تابع ہوتا ہے۔ دوسرا یہ بھی واضح ہو گیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجماع سے مراد اس کی وہ فنی تعریف نہیں ہے جسے متاخرین اصولیین نے منطقی طور پر جامع مانع بنانے کے لیے متعدد شروط وقیود کی روشنی میں وضع کیا ہے۔ اس باب کے عنوان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اجماع سے مراد کسی زمانے کے فرداً فرداً تمام اہل علم کا اتفاق نہیں بلکہ معروف اہل علم کی جماعت کا اتفاق ہے کیونکہ عربی زبان میں 'طائفة' کے لفظ کا اطلاق ایک یا دو یا تین پر بھی ہو جاتا ہے۔[2] پس اہل علم کی وہ جماعت جو حق پر قائم ہو، اس کی اجتماعی رائے امت کے حق میں حجت بن جائے گی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے تحت درج ذیل حدیث لائے ہیں:

عن المغيرة بن شعبة عن النبي ﷺ قال: «لا يزال طائفة من أمتى ظاهرين حتى يأتيهم أمر الله وهم ظاهرون»[3]

”مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر غالب رہے گی یہاں تک کہ اللہ حکم یعنی قیامت قائم ہو جائے اور وہ پھر بھی غالب رہیں گے۔“

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصل حق اور حجیت حق میں ہے اور حق کی حجت قائم ہے لہٰذا اہل حق کی رائے

---

1. صحيح البخاري، كتاب الاعتصام ، باب قول النبي ...: «لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق» يقاتلون وهم أهل العلم
2. ابن الأثير ،أبو السعادات المبارك بن محمد الجزري، النهاية في غريب الحديث والأثر:3/ 336، المكتبة العلمية، بيروت، 1979ء
3. صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة:7311

حجت ہے۔

3. اجماع کے ذرائع

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی الجامع میں جہاں اجماع کے تصور کو اجاگر کیا ہے اور اسے اہل حق علما کی جماعت کی عرفی رائے قرار دیا ہے، وہاں اس کے علم کے ذرائع پر بھی بحث کی ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اجماع کے ذریعے اس امت کی خیر و بھلائی کو قیامت تک کے لیے اس کا ایسا مقدر بنا دیا ہے کہ جس سے اختلاف اللہ کی مشیئت سے اختلاف کے مترادف ہے۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي حُمَيْدٌ، قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ يَخْطُبُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَيُعْطِي اللهُ، وَلَنْ يَزَالَ أَمْرُ هَذِهِ الأُمَّةِ مُسْتَقِيمًا حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ، أَوْ: حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ»[1]

"ابن شہاب زہری رحمہ اللہ (متوفیٰ 124ھ) سے مروی ہے کہ مجھے حمید رحمہ اللہ نے خبر دی اور انہوں نے کہا کہ میں نے معاویہ بن سفیان سے سنا جبکہ وہ خطبہ دے رہے تھے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ کہتے سنا: جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتے ہیں اور میں تو تقسیم کرنے والا ہو جبکہ اللہ تعالیٰ دینے والا ہے۔ اور اس امت کا معاملہ ہمیشہ سیدھا رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔"

اس روایت میں اللہ تعالیٰ کے ارادہ کونیہ کی خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی مشیئت میں خیر واستقامت لکھ دی ہے لیکن اس خیر واستقامت کا ذریعہ اہل حق علما کی جماعت ہے کہ جن کے واسطے سے یہ امت ہمیشہ خیر کی شاہراہ پر گامزن رہے گی اور شذوذات و نوادر یا تجدید و تشکیل کی پگڈنڈیوں سے محفوظ رہے گی۔ اہل حق علماء کی اجتماعی رائے کا فکری طور غالب ہونا ہی اس کی صحت و حجت کی کافی وشافی دلیل ہے۔

4. اجماع کی مخالفت

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی الجامع میں لزوم جماعت کا باب باندھنے کے فوراً بعد اہل علم کی عرفی رائے اور اتفاق سے علیحدہ رستہ اختیار کرنے والے گروہوں اور فرقوں کی مذمت میں ایک باب یوں باندھا ہے:

"باب قول الله تعالى أو يلبسكم شيعا."

"اللہ کے اس قول کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فرقوں میں بانٹ دے گا کا بیان۔"

اس باب کے تحت امام صاحب رحمہ اللہ درج ذیل روایت لائے ہیں:

[1] صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب: 7312

قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، يَقُولُ: لَمَّا نَزَلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ: ﴿قُلْ هُوَ القَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ﴾، قَالَ: «أَعُوذُ بِوَجْهِكَ»، ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ﴾ قَالَ: «أَعُوذُ بِوَجْهِكَ»، فَلَمَّا نَزَلَتْ: ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ قَالَ: «هَاتَانِ أَهْوَنُ، - أَوْ أَيْسَرُ -»[1]

"عمرو کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبد اللہ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تم پر اوپر سے عذاب بھیجے تو اللہ کے رسول ﷺ نے کہا میں اللہ کی اس عذاب سے پناہ چاہتا ہو یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے تو اس پر بھی اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ پس جب یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ تم کو فرقوں میں تقسیم کر دے اور تم کو ایک دوسرے کی طاقت کا مزا چکھا دے تو اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ یہ دونوں عذاب کی صورتیں بہت ہی آسان ہیں۔"

اس روایت کے مطابق اہل حق علماء کی عرفی رائے سے اختلاف کرنے والے اپنی خواہشات کی پیروی کے نتیجے میں فرقوں میں بٹ کر آپس میں لڑیں گے اور اللہ کے عذاب کے مستحق بن جائیں گے۔ اور اہل حق علما کی جماعت کے بالمقابل آراء کے حاملین کو ایسے فرق قرار دیا گیا ہے جو عذاب الٰہی کے مستحق ہو چکے ہوں۔

5. تعامل اہل مدینہ اور تعامل حرمین

مدینہ منورہ کو باعتبار علم دوسرے شہروں جیسے کوفہ، بصرہ، شام، مصر وغیرہ پر جو فضیلت حاصل ہوتی ہے اس کا کون انکار کر سکتا ہے؟ اسی لیے کوفہ کے سوا باقی تمام شہروں کے لوگ اہل مدینہ کے علم کے سامنے سرنگوں رہا کرتے تھے اور کبھی علم میں اپنے آپ کو ان کا ہم پلہ خیال نہیں کیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ مدینہ میں رہ جانے والے وہ صحابہ تھے جن کا شمار علمی لحاظ سے بہترین صحابہ میں ہوتا تھا، کیونکہ فتنہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی خانہ جنگی) کے بعد وہاں سے اگر کوئی صحابی نکلا تو اس سے بہتر کوئی دوسرا صحابی وہاں مقیم رہا۔ یہی فضیلت مدینہ منورہ کے علاوہ مکہ مکرمہ کو بھی ہمیشہ سے حاصل رہی ہے۔

اسی وجہ سے بعض اہل علم نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ رائے پیش کی ہے کہ وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرح بلکہ اسے ایک قدم آگے بڑھ کر اہل مدینہ و مکہ دونوں کے تعامل کی حجیت کے قائل تھے، لیکن یہ دعویٰ محل نظر ہے۔ یہ مغالطہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جس تبویب سے پیدا ہوا ہے، وہ یہ ہے: "كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما ذكر النبي و حض علي إتفاق أهل العلم و ما اجتمع عليه الحرمان مكة و المدينة..."

کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھام لینے کا بیان۔ نبی کریم ﷺ کے اس قول اور شوق دلانے کا بیان کہ امت

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة: 7313

کے علما کا اتفاق حاصل ہو اور اس بات کا بیان کہ جس اہل مکہ اور اہل مدینہ کا اتفاق ہو۔

دیکھ لیجیے کہ اس عبارت میں کہیں اجماع یا تعامل اہل حرمین کی صراحت نہیں، چنانچہ یہ موقف کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تعامل اہل مدینہ یا تعامل اہل حرمین کو حجت خیال کرتے ہیں، صحیح نہیں ہے۔ البتہ یہ بات ضرور واضح ہے کہ وہ تعامل مدینہ اور اہل حرمین کے اتفاق کو اہمیت ضرور دیتے ہیں۔ اس کا ایک واضح قرینہ یہ بھی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع صحیح میں یہ انداز اختیار کیا ہے کہ وہ اپنی کتاب کے ہر باب کی ابتداء امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث سے کرتے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل علم کا علم کیا اہمیت رکھتا ہے۔[1]

6. اجماع اور منہاج

اہل علم کی ایک جماعت نے اجماع کو 'منہاج' کا مسئلہ قرار دیا ہے یعنی مسلمانوں کے اہل علم کے معروف 'منہج استدلال' سے نکل کر کوئی رائے پیش کرنا یا استنباط کرنا در حقیقت اجماع کی مخالفت ہے۔ ان علماء نے اپنے اس موقف کی دلیل میں یہ بیان کیا ہے کہ اجماع کے حق میں پیش کی جانے والی دلیل میں 'اتباع سبیل المؤمنین' کے لفظ نمایاں ہیں جس میں "سبیل' کا قریبی ترجمہ 'منہج' ہی بنتا ہے کیونکہ 'سبیل' کا لغوی معنیٰ 'رستہ' ہے اور رستہ پر چلا جاتا ہے اور چلنا ایک فعل ہے۔ پس سبیل المومنین کی مخالفت سے مراد سلف صالحین کے منہج استدلال اور طرز استنباط کو چھوڑتے ہوئے کوئی اور اصول و قواعد استدلال اختیار کرنا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ اہل علم کے عرفی اتفاق سے ان کی مراد اصول استدلال اور قواعد استنباط میں ان کا عرف ہے۔ باقی جہاں تک ان اصول و قواعد کی تطبیق واجراء کی صورت میں نتائج و ثمرہ کا معاملہ ہے یعنی فتویٰ و فقہ تو اس میں اختلاف بہت ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی الجامع میں یہ حدیث لائے ہیں:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي حُمَيْدٌ، قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ يَخْطُبُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَيُعْطِي اللهُ، وَلَنْ يَزَالَ أَمْرُ هَذِهِ الأُمَّةِ مُسْتَقِيمًا حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ، أَوْ: حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ.»[2]

"ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مجھے حمید نے خبر دی اور انہوں نے کہا کہ میں نے معاویہ بن سفیان سے سنا جبکہ وہ خطبہ دے رہے تھے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا: جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتے ہیں اور میں تو تقسیم کرنے والا ہو جبکہ اللہ تعالیٰ

---

[1] ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس، أحمد بن عبد الحليم، مجموع الفتاوى: 20/ 312-320، مجمع الملك فهد، المملكة العربية السعودية، 1995م

[2] صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة: 7312

دینے والا ہے۔ اور اس امت کا معاملہ ہمیشہ سیدھا رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔“

اس روایت میں ’امر‘ کے لفظ سے محسوس ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اجماع سے مراد منہاج کے مسئلہ میں اجتماعی رویہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

خلاصہ کلام

متقدمین اہل علم کے نزدیک الفاظ کی نسبت تصورات اور معانی کی زیادہ اہمیت تھی لہٰذا وہ کسی بھی تصور دین کی وضاحت میں اس کے لغوی معنی میں، عرفی معنی کو شامل کر کے اس کی وضاحت کر دیتے تھے لیکن متاخرین کا منہج یہ ہے کہ وہ منطق کے استعمال کے زیر اثر ہر مصطلح کی فنی تعریف کو جامع ومانع بنانے کے لیے شروط وقیود کے بیان میں پڑ جاتے ہیں اور پھر اس مصطلح کی درجن بھر تعریفات تیار کر کے ان میں سے ہر ایک پر اعتراضات کی ایک لمبی چوڑی فہرست بھی قائم کر دیتے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اجماع کا تصور یہ ہے کہ صحابہ کے زمانے سے اہل مدینہ کا جو عرف منقول چلا آ رہا ہے، وہ روایت ہونے کی وجہ سے حجت ہے جبکہ اہل مدینہ کے اجتہاد واستنباط کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اجماع کا درجہ نہیں دیتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ اجماع ضروریات دین میں ہوتا ہے نہ کہ فروعات میں۔ اور امام صاحب کے نزدیک اجماعی مسائل سے مراد وہ مسائل ہیں کہ جن میں کسی عالم دین کا اختلاف کرنا ممکن نہ ہو جیسا کہ پانچ وقت کی نمازیں اور رمضان کے روزے وغیرہ۔ امام احمد بن حنبل اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اجماع سے مراد اہل حق علماء کی جماعت کی معروف رائے ہے۔ اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجماع سے مراد منہج استدلال اور طریق استنباط میں اہل حق علماء کی عرفی رائے ہے۔